17

ہر بات کے لئے اسلام نے جو قانون مقرر کیا ہے اس کی پابندی کرنی چاہئے

(فرمودہ 12 جون 1942ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"دنیا میں جب سے انسان اکٹھے رہنے لگے ہیں۔ انہوں نے اپنے لئے کچھ قوانین بنانے کی کوشش کی ہے۔ کوئی ملک ہو، کوئی قوم ہو خواہ وہ تمدن کے اعلیٰ مقام پر ہو اور خواہ تمدن کے ادنیٰ مقام پر ہو اس میں کوئی نہ کوئی قانون جاری ہوتا ہے حتّٰی کہ جن قوموں میں حکومت نہیں پائی جاتی بلکہ طوائف الملوکی پائی جاتی ہے۔ ان میں بھی رسم و رواج کے طور پر کوئی نہ کوئی قانون ضرور ہوتا ہے مثلاً اس زمانہ میں ہندوستان کی سرحد پر بعض قبائل ہیں جن کا کوئی بادشاہ نہیں۔ ہر شخص آزاد ہے اور اپنی مرضی سے جو چاہے کرتا ہے مگر ان میں بھی بعض قانون، رسم و رواج کے طور پر مقرر ہیں۔ مثلاً اگر کوئی قتل ہو جائے تو دستور مقرر ہے کہ کس طرح بدلہ لیا جائے، خاص خاص رشتہ داروں کو بدلہ لینے کا حق ہے، جھگڑے چکانے کے لئے پنچایتیں ہوتی ہیں، کچھ دستور اور رواج ہیں۔ جن کے مطابق وہ باہمی فیصلہ کرادیتے ہیں۔ ایک زمانہ میں عرب میں بھی طوائف الملوکی تھی۔ باہمی جھگڑے چکانے کے لئے کچھ انتظامات تھے۔ مکہ کا کوئی بادشاہ تو نہ تھا مگر وہاں بھی لوگوں کے لئے کچھ قوانین مقرر تھے مثلاً یہ کہ جب کوئی شخص کسی ایسے شخص کو جسے قوم قومی مجرم قرار دیتی تھی۔ پناہ دے دیتا تو جب تک اس شخص کے ساتھ تصفیہ نہ کیا جائے جس نے اسے پناہ دی ہے اس وقت تک لوگ اسے دکھ نہ دیتے تھے اور اس کی

آزادی میں روک نہ ڈالی جاتی تھی۔ عام طور پر تو کوئی قانون وہاں نہ تھا مگر رسماً بعض ایسے قوانین رائج تھے۔ جب اسلام ظاہر ہوا تو مکہ کے لوگوں نے مسلمانوں کو قومی مجرم قرار دے دیا تھا اور اس وجہ سے ان کو مارنا، دکھ دینا حتّٰی کہ قتل کر دینا ان کے نزدیک کوئی بُری بات نہ تھی۔ اسی سلسلہ میں جب کفار نے مسلمانوں کو زیادہ تکالیف دینا شروع کیں تو حضرت ابو بکرؓ نے خیال کیا کہ مکہ سے باہر کسی دوسرے قصبہ یا گاؤں میں چلا جاؤں۔ چنانچہ وہ تیار ہو کر باہر جا رہے تھے کہ مکہ کا ایک رئیس انہیں رستہ میں ملا اور کہا کہ ابو بکر کہاں جاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اب اس شہر میں میرے لئے رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ لوگ اس قسم کے دکھ اور تکالیف دیتے ہیں کہ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اس لئے مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ کسی اَور جگہ جا رہوں۔ اس نے کہا کہ تمہارے جیسے نیک آدمی کا مکہ کو چھوڑ کر جانا مکہ کے لئے عذاب ہے۔ مَیں تمہاری ذمہ داری لیتا ہوں تم باہر نہ جاؤ۔ اس کے کہنے سے حضرت ابو بکرؓ واپس آ گئے اور اس رئیس نے خانہ کعبہ میں آکر اعلان کر دیا کہ لوگو آج سے ابو بکرؓ میری ذمہ داری میں ہے۔ اس کا اعلان کرنا تھا کہ ان کے رسمی قانون کے مطابق باوجود اس کے کہ دوسرے مروجہ قانون کے مطابق مسلمان واجب القتل سمجھے جاتے تھے کسی کا حق نہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کو کچھ کہہ سکے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ مکہ میں رہنے لگے مگر وہ ہر روز اپنے گھر میں اونچی اونچی آواز سے قرآن پڑھتے اور اس سوز و گداز سے پڑھتے کہ نوجوان اور عورتیں سنتے تو یہ اثر محسوس کرتے کہ باتیں تو بہت اچھی ہیں۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے قرآن پڑھنے سے ان کے نوجوان اور عورتیں متاثر ہوتے ہیں تو وہ اس رئیس کے پاس پہنچے اور کہا کہ تم نے ابو بکرؓ کو پناہ دی تھی مگر وہ اونچی آواز سے قرآن پڑھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں اور عورتوں کے ایمان خراب ہونے لگے ہیں۔ یہ بات سن کر وہ رئیس حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ اونچی آواز سے اپنی کتاب پڑھتے ہیں اور اس میں ایسا جادو ہے کہ دوسروں کے ایمان خراب ہونے کا ڈر ہے اور لوگ شکایت کرتے ہیں اس لئے آپ اونچی آواز سے نہ پڑھا کریں۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ مَیں ایسی پناہ لینے کو تیار نہیں جس میں کہ مجھے اپنے ایمان اور عقائد کو چھپانا پڑے۔ مَیں آپ کی یہ شرط نہیں مان سکتا۔ آپ اپنی ضمانت واپس لے

لیں۔ چنانچہ اس نے پھر خانہ کعبہ میں جا کر اعلان کر دیا۔ مَیں نے ابو بکرؓ کو جو ضمانت دی تھی اسے واپس لیتا ہوں۔[1] تو اس وقت مکہ میں یہ رسمی قانون تھا حالانکہ وہاں کوئی بادشاہ نہ تھا اور کوئی حکومت نہ تھی، کوئی تعزیرات نہ تھیں اور کوئی ہدایت نامہ نہ تھا، پھر بھی کچھ رواج تھے جن کے ماتحت کام کئے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اہلِ مکہ نے رسول کریم ﷺ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تو اس وقت ان کے ذہنوں میں یہ بات آئی کہ مکہ کے رسمی قانون کے ماتحت آپ کے رشتہ داروں کو حق ہو گا کہ خون کے انتقام کا مطالبہ کریں۔ یہ کوئی حکومت کا قانون نہ تھا مگر رسمی قانون تھا جس کے مطابق وہ جانتے تھے کہ انہیں قاتل کی جان دینی پڑے گی اور آخر غور کر کے انہوں نے یہ تجویز کی کہ سب قبائل کے نمائندے اس کام میں شامل ہوں تا جب آپ کے رشتہ دار خون کا انتقام لینے کا مطالبہ کریں تو ان کی تائید میں آواز اٹھانے والا کوئی نہ ہو اور اگر آپ کے رشتہ دار انتقام لینے پر مُصر ہوں تو ان کو سب قبائل سے لڑنا پڑے۔ گو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس تجویز کو بھی ناکام کر دیا اور اپنے فضل سے اپنے رسول کی جان کو بچایا مگر ان کی اس تجویز سے ظاہر ہے کہ وہ اس قانون کی قیمت کو سمجھتے تھے۔

ان کے علاوہ منظم حکومتیں ہوتی ہیں جن کے باقاعدہ قوانین ہوتے ہیں۔ بعض قوموں میں مذہبی قوانین ہیں۔ ہندوؤں میں منو کا دھرم شاستر ہے اور یہی قانون سمجھا جاتا تھا اور اپنے زمانہ میں ہندو اس کی پابندی ضروری سمجھتے تھے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو اپنے آپ سے باہر سمجھتے تھے۔ پھر رومیوں کا اپنا قانون تھا، بابلیوں کے جو پرانے کتبے ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بھی قوانین تھے۔ غرض منظم حکومتوں میں زیادہ تفصیلی قوانین ہوتے ہیں اور جہاں طوائف الملوکی ہو وہاں رسمی طور پر بعض قواعد ہوتے ہیں جن کی پابندی اور احترام تمام افراد کا فرض سمجھا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام بھیجا جس نے ہر معاملہ کے متعلق قوانین مقرر کئے۔ ایسے تفصیلی قوانین اسلام میں موجود ہیں کہ اَور کسی مذہب میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ جب ہم کھانا کھانے لگتے ہیں تو اسلامی قانون پاس آ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے پہلے ہاتھ دھو لو۔ پھر جب کھانا شروع کرنے لگتے ہیں تو وہ سامنے آ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ توجہ سے بیٹھو، استغناء اور بے پروائی سے کھانا نہ کھاؤ، دایاں ہاتھ آگے

بڑھاؤ۔ پھر جب ہم کھانے میں ہاتھ ڈالنے لگتے ہیں تو وہ کہتا ہے دیکھنا حلال کھاؤ اور جب حلال کھانے لگیں تو وہ کہتا ہے کہ طیب کھاؤ اور جب حلال وطیب کھانے لگیں تو اسلامی قانون ہمیں کہتا ہے کہ اسراف نہ کرو۔ ایک حد کے اندر کھاؤ، زبان کی لذت کے ماتحت نہ کھاؤ بلکہ بھوک کے مطابق کھاؤ۔ جانوروں کی طرح پیٹ نہ بھرو بلکہ صحت اور عقل کا خیال رکھو۔ پھر جب کھا چکتے ہیں تو اسلامی قانون پھر سامنے آجاتا اور کہتا ہے کہ جس نے کھانے کو دیا اس کا شکریہ ادا کرو اور کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ پھر ہم پانی پینے لگتے ہیں تو اسلامی قانون سامنے آجاتا اور کہتا ہے کہ سانس لے لے کر پیو، یکدم نہ پیو، سانس برتن کے اندر نہ لو۔ پھر جب کھانے سے فارغ ہو چکتے ہیں تو کہتا ہے کہ ہاتھ دھو لو۔ ہم کپڑا پہننے لگیں تو اسلامی قانون پھر ہمیں روک لیتا ہے اور کہتا ہے کہ دائیں طرف سے پہننا شروع کرو اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کر لو جس نے یہ کپڑا عطا کیا۔ جوتا پہننے لگیں تو کہتا ہے اس طرح پہنو، اتارنے لگیں تو کہتا ہے کہ اس طرح اتارو۔ پھر جب ہم کام کاج سے فارغ ہو کر گھر میں اپنے بیوی بچوں میں جاتے ہیں تو وہاں بھی اسلامی قانون ہمارے سامنے آجاتا اور کہتا ہے کہ فلاں فلاں عورت سامنے نہ آئے، فلاں فلاں وقت اپنے بچے بھی سامنے نہ آئیں۔ ہم سونے لگتے ہیں تو کہتا ہے اس طرح سوؤ۔ اٹھتے ہیں تو ہمیں بتاتا ہے کہ اس طرح اٹھو۔ کاروبار کے متعلق بھی وہ ہدایات دیتا ہے کہ کس طرح دیانت، ہمت، چستی اور عقل کے ساتھ کرو۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ قدم قدم پر اپنے مالک اور آقا سے استخارہ کرتے رہو۔ جب وہ تمہارے کاروبار میں برکت دے تو اس کا شکریہ ادا کرو اور جب اس کی طرف بلانے کے لئے مؤذن کی آواز بلند ہو تو کام کاج بند کر کے مساجد کی طرف چلے جاؤ۔ جب مسجد کی طرف چلو تو سنجیدگی اور وقار کے ساتھ چلو۔ پھر جب ہم مسجد کے دروازہ پر پہنچتے ہیں تو وہ روک کر کہتا ہے کہ دیکھنا کوئی بدبودار چیز تم نے نہ کھائی ہوئی ہو، تمہارے کپڑوں سے بُو نہ آتی ہو جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔ جب مسجد میں پہنچو تو آرام اور ادب سے بیٹھو دنیوی کاروبار کی باتیں وہاں نہ کرو، جھگڑے تنازعہ کی باتیں نہ کرو بلکہ نماز کا انتظار کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔ پھر جب نماز شروع ہوتی ہے تو اس کے لئے بھی شروع سے آخر تک ہدایات ہیں۔ ہمارے روزمرہ کے معاملات، ہمسایوں سے معاملات، غریبوں اور امیروں سے معاملات،

آقا و ماتحت کے تعلقات ہر ایک امر کے متعلق وہ تفصیلی ہدایات دیتا ہے۔

یہ اتنی ہدایات ہیں کہ بظاہر انسان سمجھتا ہے کہ یہ اتنا بڑا طومار ہے کہ اطاعت ناممکن ہے لیکن حق یہ ہے کہ کوئی بھی بات ایسی نہیں جو ہمارے لئے بوجھل اور گراں ہو مثلاً یہی کھانے پینے کے متعلق ہدایات ہیں۔ ان میں سے کونسی ایسی ہے جو ہمارے لئے ناممکن ہے۔ کیا ہاتھ دھونا ناممکن ہے اس میں سراسر ہمارا ہی فائدہ ہے گندگی دور ہوتی ہے اور صفائی سے ہمیں ہی فائدہ پہنچتا ہے۔ اس سے خدا اور رسول کو کیا فائدہ۔ پھر اگر ہم دائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے ہیں تو اس میں کیا مشکل ہے اور اس سے خدا کو یا رسول کو کیا فائدہ ہے۔ ہمارا ہی فائدہ ہے کہ ایک ہاتھ پاخانہ وغیرہ کی صفائی کے لئے رکھتے ہیں اور ایک کھانا کھانے کے لئے۔ کیا پاخانہ سے آلودہ ہونے والے ہاتھ سے روٹی کھائی جائے تو اچھا ہے۔ پھر اگر کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہ پڑھتے ہیں تو اس میں کونسا زائد وقت لگتا ہے۔ پھر حلال کھانے میں ہمارا کیا نقصان ہے۔ حرام سؤر، خون، مردار اور مشرک کا کھانا ہی ہیں اور سؤر یا مُردار یا خون یا مشرک کا کھانا کھائے بغیر کیا ہمارا گزارہ نہیں ہو سکتا۔ پھر طیب کھانے کا حکم ہے اس میں ہمارا کیا نقصان ہے۔

طیب کے معنی ہیں جو ہر طرح فائدہ رساں ہو مثلاً اس کے معنی یہ ہیں کہ کچی روٹی نہ کھاؤ اور اگر ہم روٹی اچھی طرح پکا کر کھائیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کا کیا فائدہ ہے یا رسول کریم ﷺ کا کیا فائدہ ہے یا اگر مٹی ملا ہوا آٹا ہم نے نہیں گوندھا تو اس سے اللہ تعالیٰ کو کتنے روپے مل گئے یا رسول کریم ﷺ کو کیا مل گیا؟ اس میں سراسر ہمارا ہی فائدہ ہے یا اگر ہم نے تین چار دن کا سڑا ہوا کھانا جو گو حلال تھا مگر طیب نہ تھا نہیں کھایا تو اس سے کسی کو کیا فائدہ پہنچا۔ ہمارا ہی فائدہ ہے کہ دستوں یا ہیضہ سے بچ گئے۔ اللہ تعالیٰ یا رسول کریم ﷺ کو تو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ یا اگر ہم نے سڑی گلی ہوئی ترکاری نہیں کھائی تو اس سے خدا تعالیٰ کو کیا فائدہ پہنچا۔ ہمارا ہی فائدہ ہوا۔ غرضیکہ کوئی بھی حکم ایسا نہیں جس کا فائدہ ہمیں نہ پہنچتا ہو اور کوئی بھی حکم ایسا نہیں جس سے خدا یا رسول کو کچھ ملتا ہو اور اگر ایسے احکام جن کا فائدہ سراسر ہمیں ہی پہنچتا ہے طومار بلکہ اس سے بھی بڑا ہو تو کیا۔ اس میں ہمارا ہی نفع ہے کسی اَور کا تو نہیں۔ جتنا عمل کریں گے اتنا فائدہ ہم ہی اٹھائیں گے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض باریک احکام کی حکمت ہماری سمجھ میں نہ آئے

مگر جہاں اور دس بیس یا سَو کی حکمت سمجھ میں آتی ہے وہاں اگر ایک آدھ کی نہ آئے تو اسے بھی ان پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہمیں سو علمی باتیں سکھاتا ہے تو اگر اس کی بتائی ہوئی کسی ایک بات کی ہمیں سمجھ نہ آئے تو ہم اسے بھی مان لیں گے۔ اگر کوئی کسی پر دو احسان کرے تو وہ اس کی تیسری بُری بات کو بھی برداشت کرنا ضروری سمجھتا ہے بلکہ کسی شریف آدمی پر تو اگر کوئی ایک احسان بھی کرے تو وہ اس کی تین بُری باتیں سننا بھی اپنا فرض سمجھتا ہے۔ تو ایسا محسن جس کی سینکڑوں باتوں کی حکمت اور فائدے کو ہم سمجھتے ہیں۔ اس کی کوئی ایک دو باتیں اگر نہ بھی سمجھ میں آئیں تو کوئی حرج نہیں اتنے احسانات کے بعد ہمیں یہ جرأت کیسے ہو سکتی ہے کہ سوال کریں اس کی حکمت کیا ہے؟

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب مکہ والوں کی طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی کہ آپس میں سمجھوتہ ہو جائے تو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اچھا ہے اگر سمجھوتہ ہو جائے۔ مکہ والوں نے ایک شخص کو اپنی طرف سے شرائط طے کرنے کے لئے آپ کے پاس بھیجا جس کے لوگوں پر بہت احسانات تھے حتّٰی کہ وہ اپنے آپ کو عرب کا باپ کہتا تھا۔ وہ آیا اور باتیں کرنے لگا۔ وہ بہت ہوشیار اور تجربہ کار آدمی تھا اور چاہتا تھا کہ مَیں ایسے رنگ میں صلح کراؤں کہ میری قوم کی عزت رہ جائے اور لوگ میری ہوشیاری کی تعریف کریں۔ چنانچہ وہ کہنے لگا کہ دیکھو بچہ! مَیں بڑا آدمی ہوں، بوڑھا ہوں، میرے عقل اور تجربہ کی قدر کریں۔ یہ لوگ جو آپ کے گرد جمع ہیں یہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں بلکہ کوئی کہیں کا اور کوئی کہیں کا ہے۔ ان پر اعتماد کر کے اپنی قوم سے نہ بگاڑو۔ اگر آج ایسی شرائط طے ہوئیں جن میں اہل مکہ کی ہتک ہو تو یہ گویا تمہاری ہتک ہو گی۔ کل کو اگر تم نے اپنی قومی عزت سے فائدہ اٹھانا چاہا تو نہ اٹھا سکو گے۔ وہ دنیا دار آدمی تھا اور سمجھتا تھا کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے کام کی بنیاد بھی دنیا داری پر ہی ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو جو برکات حاصل تھیں ان کا اسے کوئی علم نہ تھا۔ باتیں کرتے کرتے اس نے آپ کی ریش مبارک کو ہاتھ لگایا اور کہا کہ قوم کی عزت رکھ لو۔ ہمارے ملک میں یہ بھی رواج ہے کہ کہتے ہیں مَیں تمہاری داڑھی کو ہاتھ لگاتا ہوں۔ یہ بات مان لو۔ اسی طرح اس نے بھی آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ریشِ مبارک کو ہاتھ لگایا لیکن ایک صحابی نے اپنے تلوار کے دستے سے

اس کے ہاتھ کو پرے ہٹاتے ہوئے کہا کہ اپنے ناپاک ہاتھ کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک داڑھی سے پرے ہٹاؤ۔ صحابہ اس وقت زرہیں اور خَود پہنے ہوئے تھے اور خَود مُنہ کو ڈھانک دیتا ہے۔ جب اس صحابی نے تلوار کے دستے سے اس کے ہاتھ کو پرے ہٹایا تو اس رئیس نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پہچان لیا کہ فلاں شخص ہے اور کہا کون؟ کیا فلاں ہے؟ تم کو کس طرح جرأت ہوئی کہ میرا ہاتھ پرے ہٹاؤ۔ یاد ہے مَیں نے تم پر فلاں احسان کیا ہے۔ یہ بات سن کر باوجودیکہ صحابہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق و شیدا تھے مگر احسان کا شریف آدمی پر اتنا اثر ہوتا ہے کہ وہ صحابی پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے کسی کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ اس کا جواب دے۔ آخر باتیں کرتے کرتے اس نے پھر جوش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کو ہاتھ لگایا اور کہا کہ میری بات مان لو۔ اس وقت سب صحابہ کھڑے تھے مگر کوئی بول نہ سکتا تھا کیونکہ سب کو یاد تھا کہ اس شخص نے مجھ پر یا میرے خاندان پر فلاں فلاں وقت احسان کیا ہوا ہے۔ ان کے دل کو یہ حرکت بُری تو لگتی تھی مگر وہ شرم کے مارے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اتنے میں ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے اس رئیس کے ہاتھ کو سختی سے ہٹاتے ہوئے کہا کہ ہٹاؤ اپنا ناپاک ہاتھ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک داڑھی سے۔ اس رئیس نے پھر اس شخص کو دیکھا اور پہچان کر آنکھیں نیچی کر لیں اور کہا ابو بکر بے شک تم یا تمہارے خاندان پر میرا کوئی احسان نہیں۔ تمہیں بے شک حق حاصل ہے کہ میرے ہاتھ کو پَرے ہٹا سکو۔[2] تو دیکھو ایسے نازک وقت میں بھی شریف آدمی کی آنکھیں احسان کو یاد کر کے نیچی ہو جاتی ہیں جیسے صحابہ کی اس وقت ہو گئیں۔ تو اگر کوئی کسی پر ایک بھی احسان کرے تو سالہا سال تک آنکھیں نیچے رہتی ہیں مگر جس محسن کے احسانات بے شمار ہوں۔ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے جس کے احسانات ہوں اس کے اتنے احسانات کے بعد اگر کوئی ایک آدھ بات سمجھ میں نہ آئے تو یہ کتنی حماقت ہے کہ انسان اَکڑ کر بیٹھ جائے اور کہے کہ جب تک میری سمجھ میں یہ بات نہ آئے۔ مَیں کس طرح مان لوں۔ اسلام نے ایسی کامل تعلیم دی ہے جو انسان کے ہر شعبہ زندگی میں جاری ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں اس کے احکام ہمارے سامنے نہیں آجاتے۔

یہ بات دشمنانِ اسلام کے لئے بھی حسرت کا موجب رہی ہے۔ چنانچہ ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ جب مَیں آپ کی شریعت کے احکام سنتا ہوں تو میرا دل حسرت سے بھر جاتا ہے کیونکہ اس میں ہر بات کے لئے ہدایت موجود ہے۔ پیشاب پاخانہ کرنے، روٹی کھانے، پانی پینے، کپڑا پہننے، سونے جاگنے، اٹھنے بیٹھنے غرضیکہ کوئی شعبہ زندگی کا ایسا نہیں جس میں تمہارے مذہب نے ہدایت نہ دی ہو۔[3] اور جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے یہ ہدایت نامہ ہمارے لئے احسان ہی احسان ہے۔ اس کا بڑا ہونا بوجھ نہیں بلکہ بڑے ہونے سے احسان اَور بھی بڑھ جاتا ہے۔ بھلا اس شخص کا احسان ہم پر زیادہ ہوتا ہے جو ایک میل تک ہمیں رستہ دکھائے یا اس کا جو دس میل تک دکھائے۔ کیا دس میل تک راہ نمائی کرنے والا ہم پر کوئی بوجھ ڈالتا ہے یا اس کا احسان اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ پس اسلامی شریعت ایک وسیع قانون ہے جو ہمیں ہر قسم کی غلطیوں سے بچاتا ہے اور ساری عمر ہمارے ساتھ چلتا ہے۔ جس وقت بیوی اور میاں آپس میں ملتے ہیں اور بچہ کی پیدائش کا بیج بویا جاتا ہے اس وقت سے یہ ہدایت نامہ شروع ہوتا ہے پھر بچہ کے پیدا ہوتے ہی اسلام کی ہدایت اس کے کان میں ڈالی جاتی ہے اور اسلامی قانون ساری عمر اس کے ساتھ چلتا ہے اور پھر جب انسان مرنے لگتا ہے تو اس وقت بھی اسلامی ہدایت اس کے کان میں ڈالی جاتی ہے تاکہ آئندہ زندگی میں بھی اس کے کام آئے۔

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام کا یہ احسان اسی وقت مکمل ہو سکتا ہے جب ہم اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ دین کے معاملات میں بھی شریعت نے قانون مقرر کئے ہیں اور دنیا کے معاملات میں بھی۔ لڑائی جھگڑے کے متعلق بھی قوانین ہیں مثلاً اگر کسی کو کسی سے کوئی نقصان پہنچے تو اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ اس نقصان کا ازالہ قاضیوں سے کرایا جائے۔ آج ہمارے ملک میں چونکہ غیر ملکی گورنمنٹ ہے۔ اس لئے اسلامی قضاء سارے قانون پر حاوی نہیں ہے۔ بعض امور ایسے ہیں کہ گورنمنٹ کا حکم ہے کہ ان کا فیصلہ بہر حال اس سے کرایا جائے اور چونکہ گورنمنٹ کے قانون کی پیروی کرنا بھی ہمارا فرض اسلام نے قرار دیا ہے۔ اس لئے ایسے امور کا فیصلہ اسی کے مقرر کردہ ججوں سے کرانا چاہئے مگر جن میں اس نے آزادی دی ہے کہ چاہیں تو آپس میں ہی فیصلہ کرلیں اور جو امور قابلِ دست اندازی پولیس نہیں ہیں ان میں

اسلامی قانون جاری کرنا ہمارا فرض ہے اور چونکہ ہماری جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے منظم ہے اور ایک ہاتھ پر جمع ہے۔ اس لئے ایسے امور میں جن میں گورنمنٹ نے آزادی دی ہے کہ اگر چاہیں تو انہیں اس کے پاس لے جائیں اور چاہیں تو نہ لے جائیں۔ ان میں اسلامی شریعت کا دوبارہ زندہ کرنا ہمارا فرض ہے اگرچہ ہمارے لئے دوسرا حصہ بھی زندہ ہی ہے کیونکہ ہماری جماعت ہی واحد جماعت ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ حکومت وقت کی اطاعت بھی خدا تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ اس لئے جن امور کو ہم اس کے پاس لے جاتے ہیں۔ ان میں بھی گویا شریعت کی اطاعت ہی کرتے ہیں۔ جو لوگ حکومت وقت کے قانون کی پیروی کو جائز نہیں سمجھتے وہ اگر اپنے معاملات اس کے پاس لے جاتے ہیں تو گناہ کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے لئے یہ بھی ثواب ہی ہے کیونکہ اس طرح بھی ہم شریعت کی اطاعت ہی کرتے ہیں اور اسے زندہ کرتے ہیں۔ جس طرح نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کا حکم ہے لیکن بیمار بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے اور جو بیٹھ کر پڑھنے کو جائز سمجھتا ہے اس کا بیٹھ کر پڑھنا بھی ثواب ہی ہے لیکن جو بیٹھ کر پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتا اور پھر پڑھتا بھی ہے وہ گویا گناہ کرتا ہے اس کا بیٹھ کر پڑھنا اسلام کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ پس جو لوگ حکومت کے پاس اپنے معاملات لے جانا جائز نہیں سمجھتے خواہ انہیں جبراً ہی جانا پڑے وہ خدا تعالیٰ کے قانون کو توڑنے والے ہیں۔ صرف ہماری جماعت ہی ایک ایسی جماعت ہے جو حکومت وقت کی اطاعت کو بھی خدا تعالیٰ کی اطاعت ہی سمجھتی ہے۔ اس لئے جن امور میں ہمیں حکومت کے پاس جانا پڑتا ہے ان میں بھی شریعت کا دوسرا حصہ ہمارے لئے زندہ ہی ہے۔

پس ہر احمدی جسے کوئی جھگڑا درپیش ہو اس کے لئے دو راستے ہیں۔ اگر تو حکومت کا قانون یہ ہے کہ اسے اس کی قائم کردہ عدالتوں میں لے جائیں اور حکومت کا دروازہ ہی کھٹکھٹائیں تو جو شخص کوئی اَور راستہ اس کے سوا اختیار کرتا ہے وہ حکومت اور سلسلہ دونوں کا باغی ہے لیکن جن امور کا فیصلہ سرکاری عدالتوں سے کرانا ضروری نہیں بلکہ ہمیں آزادی ہے کہ چاہیں تو خود کر لیں اور چاہیں تو رحم سے کام لیتے ہوئے معاف کر دیں۔ ان معاملات کو جو شخص قضاء میں نہیں لے جاتا بلکہ خود فیصلہ کرنا چاہتا ہے یا زور و جبر سے کام لیتا ہے وہ مجرم ہے خدا تعالیٰ کا بھی اور جماعت کا بھی۔ یہ قاضی کا ہی کام ہے کہ وہ کسی شخص کو سزا دے یا نہ دے

اور اگر دے تو کتنی دے۔ کسی چور کو قاضی کے پاس لے جایا جاتا ہے اور وہ اسے ایک سال کی سزا دیتا ہے، کسی کو دو سال کی دیتا ہے، کسی کو چھ سال کی دیتا ہے اور کسی کو صرف ایک ماہ کی اور کسی کو صرف ضمانت لے کر ہی چھوڑ دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی جرم میں فیصلے مختلف ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اپنے چور کو خود ہی سزا دینا چاہے تو گو وہ واقعی چور ہو تو بھی اسے کیا معلوم کہ اسے اتنی سزا ملنی چاہئے۔ اگر خود ہی سزا دے دے تو اسے کس قانون کے مطابق پتہ لگے گا کہ کتنی سزا دینی چاہئے۔ اس لئے اگر وہ خود سزا دے گا تو وہ نفس کا تابع ہو گا شریعت کا نہیں کیونکہ جو فیصلہ خدا تعالیٰ نے ایک اَور کے ذمہ رکھا تھا اسے اس نے خود کر دیا حتّٰی کہ جن امور میں شریعت نے سزا معیّن اور مقرر کی ہے یعنی نہ بدلنے والی وہ بھی خود بخود دینے کی اجازت شریعت نے نہیں دی۔ مثلاً مسلمانوں کے ایک طبقہ کا یہ عقیدہ ہے۔ مَیں اس بحث میں اس وقت نہیں پڑتا کہ غلط ہے یا صحیح مگر بہرحال ایک طبقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ایسی عورت یا مرد جو شادی شدہ ہوں وہ اگر زنا کریں تو ان کی سزا رجم ہے یعنی پتھر مار مار کر انہیں مار دیا جائے۔ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! اگر کوئی شادی شدہ مسلمان مرد یا عورت زنا کرے تو اس کی سزا رجم ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہے۔ اس نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو اس حالت میں دیکھے تو کیا جائز ہے کہ وہ اس مرد کو مار دے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ قاتل ہو گا۔[4] یہ قاضی کا حق ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ کوئی زانی رجم کے قابل ہے یا نہیں۔ اگر کوئی شخص خود ہی فیصلہ کر کے کسی کو قتل کرے گا تو خواہ مقتول واقعی مجرم ہو پھر بھی ہم قتل کرنے والے کو قاتل سمجھ کر اسے قتل کریں گے۔ تو جہاں سزا معیّن ہے ایسی معیّن کہ اس میں تبدیلی کا امکان ہی نہیں۔ اس میں بھی شریعت نے خود بخود فیصلہ کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ اگر کوئی ایسی سزا بھی خود دے گا اور ایسے جرم کے نتیجہ میں بھی جس کی سزا واقعی قتل ہے خود کسی کو قتل کر دے گا تو اسے قاتل قرار دیا جائے گا کیونکہ سزا دینا اس کا حق نہ تھا۔ تو ہر بات کے لئے اسلام نے قانون مقرر کئے ہیں مگر افسوس کہ ہم میں سے بعض لوگ ابھی ایسے ہیں جو جوشِ نفس یا غصہ کے ماتحت قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے جو کیا ہے

انصاف کیا ہے۔ لیکن دراصل وہ خود جرم کرتے ہیں۔ جیسا کہ مَیں نے مثال دی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے شادی شدہ زنا کرنے والے مرد یا عورت کو خود قتل کر دینے کو ناجائز قرار دیا اور ایسا کرنے والے کو قاتل ٹھہرایا۔ فرض کرو ایک شخص کسی مجرم کو سزا دیتا ہے اور واقعی انصاف بھی وہی ہے جو اس نے کیا پھر بھی اس کا ایسا کرنا اسے مجرم بناتا ہے مثلاً اس نے کسی شخص کو دو تھپڑ مارے اور واقعی اس شخص کی سزا دو تھپڑ ہی تھی۔ مگر پھر بھی اس کا خود بخود اسے دو تھپڑ مارنا اسے مجرم بنا دیتا ہے کیونکہ یہ قاضی کا حق تھا کہ اس کے لئے تھپڑ تجویز کرے یا چاہے تو اسے چھوڑ دے۔ پس جو شخص خود بخود دو تھپڑ مار دیتا ہے وہ جرم کرتا ہے۔

مَیں نے دوستوں کو متواتر اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا کسی طرح بھی جائز نہیں مگر پھر بھی لوگ جوش میں اس بات کو بھول جاتے ہیں اور ذرا سی بات پر غصہ میں آکر قانون کو ہاتھ میں لینے پر اتر آتے ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ "نقصان جو ایک پیسہ کا دیکھیں تو مرتے ہیں"[5]

کسی کا ذرا سا بھی نقصان ہو جائے تو وہ اندھا ہو کر اپنے فرائض اور مناصب کو بھول جاتا ہے اور قانون کو ہاتھ میں لے لیتا ہے جب تک یہ روح نہ مٹے ہمارا یہ دعویٰ کرنا کہ ہمارے دلوں پر احمدیت کی حکومت ہے بالکل غلط ہے۔ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بارہا سنا ہے کہ مومن ہونا خصّی ہونے کے برابر ہے۔ جس طرح گھوڑے یا اونٹ یا بیل کو خصّی کر دیا جاتا ہے اور اس میں کوئی جوش، شوخی اور نفسانی خواہشات باقی نہیں رہتیں۔ اسی طرح انسان جب تک غصہ اور جوش کی حالت میں اپنے نفس کو قابو میں نہیں رکھ سکتا وہ کس بات میں اسلام پر عمل کرنے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

حقیقی اطاعت کا وقت یہی ہوتا ہے۔ اگر اپنے نفس کی مرضی بھی وہی ہو جو شریعت کا منشاء ہے تو وہ کوئی اطاعت نہیں۔ مولانا روم نے اس بات کو نہایت لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ آپ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک چوہے نے کسی اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور چل پڑا اور اونٹ بھی پیچھے پیچھے چلتا گیا آگے سمندر آگیا۔ اونٹ پانی سے ڈرتا ہے۔ چوہے نے نکیل کو کھینچا کہ وہ پانی میں داخل ہو مگر اونٹ اَڑ گیا۔ چوہے نے کہا کہ اس وقت تک تم میری اطاعت کرتے

آئے ہو اور میرے پیچھے پیچھے چلتے آئے ہو اب کیا ہو گیا جو تم آگے نہیں چلتے۔ اونٹ نے کہا کہ مَیں تمہاری اطاعت نہیں کر رہا تھا بلکہ دراصل مَیں نے خود بھی اِدھر ہی آنا تھا۔ جب تک تم میری مرضی کے مطابق چلتے آئے مَیں بھی تمہارے پیچھے پیچھے چلتا آیا مگر اب کہ تم میری مرضی کے خلاف چلنا چاہتے ہو مَیں نے انکار کر دیا۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو خوشی میں تو اطاعت کرتا ہے مگر جہاں غصہ اور رنج کی حالت پیدا ہوئی وہ جھٹ اطاعت سے باہر ہو جاتا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ اس کی پہلی اطاعت بھی حقیقی اطاعت نہ تھی بلکہ اپنی مرضی کی اطاعت تھی۔ حقیقی اطاعت وہی ہے جب حکم مرضی کے خلاف ہو اور جو خوشی میں بھی اور رنج میں بھی ہو، جو تنگی میں بھی ہو اور فراغت میں بھی، جو اس وقت بھی ہو جب انسان کو اس کا حق مل رہا ہو اور اس وقت بھی جب اس کا حق چھینا جا رہا ہو اور جب تک کوئی شخص اس طرح اطاعت نہیں کرتا اور اس طرح اپنے آپ کو اسلامی احکام کے ماتحت نہیں کر دیتا وہ فرمانبردار نہیں کہلا سکتا۔ اول تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ تم سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل اختیار کرو لیکن کسی کو اگر نقصان پہنچا بھی ہو اَور وہ اس کا ازالہ بھی ضرور کرانا چاہتا ہے تو چاہئے کہ قاضی کے پاس جائے بشرطیکہ حکومت وقت کا قانون اجازت دیتا ہو اور اگر وہ اجازت نہیں دیتا تو پھر سرکاری عدالت میں جائے لیکن جو شخص ان دونوں صورتوں کے خلاف چلتا ہے اور قانون کو خود ہاتھ میں لیتا ہے تو وہ اطاعت کی روح کے خلاف فعل کرتا ہے اور فتنہ پیدا کرتا ہے اور جب تک یہ حالت دور نہ ہو یہ دعویٰ کرنا کہ احمدیت کی حکومت ہمارے دلوں پر ہے اور کہ ہم احمدیت پر عمل کرتے ہیں ایک ناقص دعویٰ ہے۔"

(الفضل 17 جون 1942ء)

1: بخاری کتاب الکفالۃ باب جوار ابی بکر فی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ عَقْدِہٖ

2: سیرت ابن ھشام جلد نمبر 3 صفحہ 327 مطبوعہ مصر 1936ء

3: مسلم کتاب الطھارۃ باب الاستطابۃ

4: مسلم کتاب اللِّعَان حدیث نمبر 3743

5: درثمین اردو صفحہ 11 زیر عنوان "سرائے خام"